© rasailojaraid.com

۲ - جماعت نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ دین اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے، جو اپنے قیام کے لیے پروپیگنڈے یا سیاست کی بیساکھیوں کا رہین منت نہیں ہے۔

۳ - اگر آدمی اپنے مقصد میں مخلص ہے تو وہ معاندانہ اور ناسازگار فضا میں بھی خاموشی سے کام کر سکتا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ تعلیمی اور سماجی اداروں کے ہزاروں نوجوان جماعت میں جوق در جوق شامل ہو رہے ہیں، اور ان جماعتوں سے بھاگ رہے ہیں، جنھوں نے اپنی ڈکشنری سے معنوی زندگی کی آبادی کا لفظ خارج کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت نے ملک میں علم و دانش کی کوئی صحت مند روایت قائم کی ہو یا نہ، لیکن وہ اسلامی زندگی کے ایک اہم پہلو (خدا سے لگاؤ اور تزکیۂ قلب) پر عمل کر کے خاموشی سے شر و باطل کی طاقتوں پر ضرب کاری ضرور لگا رہی ہے۔

علامہ اقبالؒ کا یوم ولادت

پاکستان کی سیاسی، ثقافتی اور قانونی تاریخ کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے بعد یہ دعویٰ کرنا جائز ہو گا کہ حضرت علامہ نے جس مقدس مقصد کے لیے پاکستان کا خواب دیکھا تھا اور جس کی تعبیر کے لیے بابائے قوم کی بے داغ زندگی اور قوتِ ارادی نے برصغیر کی تاریخ کے رُخ کو بدل دیا تھا، ہمیں اس ارضِ موعود کا ابھی تک سراغ نہیں ملا، چنانچہ ہم انسانی وقار کے تحفظ اور عادلانہ، منصفانہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے ایک صحت مند سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی کردار ادا کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمیں بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ۱۹۷۱ء میں آگ کے دریاؤں سے گزرنا پڑا اور وقت کے ہاتھوں جامِ حوادث کا تلخ ترین جرعہ پینا پڑا۔ خیال تھا کہ ہم اس المیے (سقوطِ ڈھاکہ) سے کوئی سبق سیکھ کر اپنی بھولی ہوئی سچائی سے مضبوط پیمانِ وفا باندھیں گے، صد افسوس! بوجوہ ایسا نہ ہو سکا۔ چنانچہ ہم آج بھی اپنے معاشرے میں فکری ژولیدگی اور سیاسی اخلاقی زندگی کی شکستگی کا نظارہ کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاص اور سنجیدگی سے ہماری رائے ہے کہ ہمیں اپنی بھولی ہوئی راہ کا سراغ علامہ اقبال اور قائداعظم کے افکار و آرا میں مل سکتا ہے، کیونکہ ہم سیاسی و اجتماعی میدان میں اقبال و جناح کی راہوں کو چھوڑ کر برابر ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور آج نسلی، لسانی اور مذہبی فرقہ واریت کی جس راہ پر چل نکلے ہیں، وہ 'حجاز' نہیں 'ترکستان' جا رہی ہے۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے اور وہ کسی کی خاطر اپنی رفتار نہیں بدلتا، اس لیے ایک نئے المیے سے بچنے کے لیے ہمیں اقبال اور قائد کے افکار کی روشنی میں بڑی بے رحمی سے اپنا محاسبہ کرنا ہوگا اور ایک صحت مند نظام کے قیام کے بعد ہی ہم معاندانہ طاقتوں کو شکست دے سکتے ہیں جو ہماری اجتماعی اور سیاسی زندگی کو تہ و بالا کرنے پر تلی بیٹھی ہیں۔

علامہ اقبال دُنیائے اسلام کی ان چند ممتاز شخصیات میں سے ہیں جو عہدِ حاضر میں مسلمانوں کے لیے مسیحا بن کر آئے تھے۔ اُنھوں نے مشرق اور مغرب کے فلسفہ ہائے حیات کا وسیع مطالعہ کیا تھا، قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ اُنھوں نے "اپنی عمر کا بہترین حصہ اسلام کی قانونی، سیاسی، ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی زندگی کے مطالعے میں بسر کیا تھا۔" اس ساری فکری کشمکش اور جدّوجہد کا جس میں ان کی زندگی کی راتیں گزری تھیں، ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ انسانی وقار کو کیوں کر بحال کیا جائے؟ اور مسلم سوسائٹی کی تشکیل جدید کن خطوط پر کی جائے، جس میں انسان، انسان کا غلام نہ رہے، اور وہ ایسے نظام سے چھٹکارا پا سکے، جس کا خمیر جبر و تشدّد اور استحصال سے اُٹھا ہے۔ چنانچہ ان کی اخلاص سے یہ رائے تھی کہ مغرب کا موجودہ نظام نہ صرف غیر اخلاقی ہے بلکہ اخلاقی ارتقا کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور وہ مشرقی قوموں کی سیاسی اور معاشی زندگی کے لیے وبالِ جان بنا ہوا ہے۔ جہاں اقبال مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے بیزار تھے، وہاں وہ مسلمانوں کی فکری اور اجتماعی زندگی سے بھی خوش نہیں تھے، کیونکہ مسلمانوں نے اپنا تاریخی کردار یک قلم فراموش کر دیا ہے۔ اور وہ "گزشتہ پانچ سو سال سے جمود و تعطل کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

واقعہ یہ ہے کہ اقبال ابنِ خلدون کے بعد پہلے آدمی ہیں کہ جن کی ناقدانہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیغمبرانہ بصیرت نے مسلم تاریخ کی سنگین لغزشوں کا بڑی بالغ نظری سے سراغ لگایا اور بتایا کہ مسلمانوں کی فکری اور سیاسی زندگی نے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں، اور انھیں کیوں کر عالمی سٹیج سے پیچھے دھکیل دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے انسان کی فلاح و سعادت کے لیے قرآن مجید کی عالم گیر اور آفاقی و آسمانی مملکت قائم نہ کی جا سکی، چنانچہ اسی آسمانی مملکت کے قیام کے لیے جو بہ قول اُن کے "صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس میں ہر وہ آدمی داخل ہو سکتا ہے جو قومیت اور نسل کے تیار کردہ انسانی بتوں کو خدا حافظ کہہ دے"۔ چنانچہ اسی بلند مقصد کی خاطر اُنھوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور بتایا کہ "سیاست کی جڑیں انسان کی روحانی زندگی میں پیوست ہیں"۔ اس لیے ان کی رائے میں سیاست اور مذہب کو قدم بہ قدم چلنا چاہیے، کیوں کہ "مذہب لوگوں اور افراد کی زندگی میں ایک ایسی طاقت ہے جو غیر معمولی اہمیت کی مالک ہے"۔ اسی لیے اس سے تغافل نہیں برتا جا سکتا۔ لیکن مذہب ان کی نگاہ میں فرقہ واریت، ذاتی عقائد اور خاص رسم و رواج کا نام نہیں تھا۔ اس کے برعکس ان کی رائے میں قرآن کا بنیادی مقصد انسان اور کائنات، ایسے ہی انسان اور خدا کے باہمی تعلقات کے بارے میں مقدس شعور کو بیدار کرنا ہے۔" یہی شعور ہے جو انسان کو دوسرے انسان کے مذہب و ثقافت کے احترام کا درس دیتا ہے۔

اقبال نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ "میں دوسری (مذہبی) جماعتوں کی روایات، قوانین، مذہبی اور سماجی اداروں کا انتہائی احترام کرتا ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ قرآنی تعلیمات کی رو سے میرا یہ فرض ہے کہ میں ان کی عبادت گاہوں کا بہ وقتِ ضرورت دفاع بھی کروں"۔ چنانچہ اقبال کی یہ تمنا تھی کہ اگر مسلمان از سرِ نو اپنی بھولی ہوئی زندگی کا سراغ پا لیں تو وہ ایسی ریاست قائم کر سکتے ہیں، جس میں انسان، خواہ اس کا کسی بھی مذہب سے تعلق ہو، اپنی اپنی ثقافت، مذہب اور روایات کے مطابق پوری آزادی سے اپنی شخصیت کی نشو و نما کر سکتا ہے اور کوئی آدمی جبر و تشدد اور استحصال کا شکار نہیں ہوگا۔

اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرتے ہوئے کہا کہ "ہندوستانی مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ایک لمبی مدت سے اپنی معنوی زندگی کی گہرائیوں کا سراغ لگانا چھوڑ دیا ہے، جس کے نتیجے میں انھوں نے ایک کامیاب اور بھرپور زندگی بسر کرنا چھوڑ دیا ہے۔" رہا یہ سوال کہ مسلمان اپنی معنوی زندگی کا سراغ کیوں کر لگائیں؟ تو اس کے لیے ان کی رائے تھی کہ "ہندوستان (برصغیر) کے بڑے بڑے شہروں میں مرد اور عورتوں کے لیے ثقافتی ادارے قائم کیے جائیں، جن کا سیاست سے قطعاً کوئی تعلق نہ ہو، ان کا بنیادی مقصد یہ ہو کہ نوجوان نسل کی روحانی توانائی کو متحرک کیا جائے اور یہ بات تبھی ہو سکتی ہے کہ نوجوان نسل کو صاف اور واضح طور پر یہ بتایا جائے کہ اسلام نے تاریخ میں اب تک کون سی کامیابیاں حاصل کی ہیں، اور انسان کی مذہبی اور ثقافتی تاریخ میں مزید کن کامیابیوں کو حاصل کرنا باقی ہے۔ لوگوں کی ترقی پسند طاقتوں کو بیدار کر کے انھیں نئی منزل کا پتہ دیا جائے اور بتایا جائے کہ مسلم جماعت زندگی کے منتشر اور غیر مربوط مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ معنوی طور پر ایک مربوط اور مستحکم جماعت ہے، اس تصور کا افراد کو شعور اور تجربہ ہونا چاہیے۔۔۔۔"

اقبال ایک طرف تو مسلم جماعت کے افراد میں مسلم تاریخ اور ثقافت کا گہرا شعور بیدار کرنا چاہتے ہیں، اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ افراد کی فکری اور روحانی تربیت کیے بغیر کوئی بھی تخلیقی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جا سکتا، اس کے ساتھ ساتھ وہ جماعتی طور پر ایسا معاشرہ قائم کرنے کی آرزو رکھتے ہیں جو توحید کے جلو میں آنے والے نظریات — آزادی، مساوات، اخوت — کی بنیادوں پر قائم ہو، اور جو "ربّ شاہنشاہیت کے ہر داغ سے پاک صاف ہو" چنانچہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اقبال مسلم معاشرے کی تشکیل جدید کے لیے افراد اور جماعت دونوں کے لیے اخلاقی و روحانی تربیت کو لازمی گردانتے ہیں اور ان اقدار کو اجتماعی طور پر عملی جامہ پہنانے کے لیے 'اجتہاد' کی خوابیدہ تخلیقی طاقتوں کو بیدار کرنا چاہتے ہیں، جو بدلے ہوئے حالات میں قوم کو وقت کے پہلو بہ پہلو چلنے کا درس دے سکے۔ کیوں کہ تغیر و تبدل، انسانی زندگی کا ایک ایسا اصول ہے، جس سے جس قوم نے بھی تغافل برتا اسے وقت نے سٹیج سے پیچھے دھکیل کر تاریخ کے کباڑ خانے میں پھینک دیا۔

کیا ہم نے اقبال کے افکار کی روشنی میں ایک فلاحی جمہوری اور اخلاقی معاشرہ یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاست کی تشکیل جدید کے لیے کوئی ٹھوس کام کیا؟ اس بات کا جواب تو وہی دانش ور دے سکتے ہیں جو کلامِ اقبال پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

البتہ کلامِ اقبال کے عام طالبِ علم کی حیثیت سے ہماری یہ رائے ہے کہ جب تک ہم برطانوی ہند سے ورثے میں ملنے والے سیاسی اور اقتصادی نظام میں عوام کو شامل نہیں کریں گے اور ان دو اہم شعبوں کو جاگیردارانہ ذہنیت اور موجودہ غیر متحرک صورتِ حال (STATUS QUO) کی مضبوط گرفت سے آزاد نہیں کرائیں گے، اس وقت تک اخلاقی اور آسمانی مملکت کے قیام کے لیے کیا جانے والا سارا 'وعظ' 'وعظ' ہی رہے گا اور بس۔

اس بیمار اور غیر اخلاقی نظام کو بدلنے کے لیے ہمیں ایسے علمی اور ثقافتی ادارے قائم کرنے چاہییں، جو بہ قول اقبال سیاست سے یک قلم دور رہ کر ہماری نوجوان نسل کو اپنی فکری اور علمی وراثت سے آگاہ کریں اور بتائیں کہ اسلام اور اقبال کی فکر انگیز تحریروں کی روشنی میں نئے عادلانہ نظام کا خاکہ کیوں کر تیار کیا جا سکتا ہے، یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ یہ عادلانہ نظام تبھی کامیاب ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کے فکری سرمائے اور روحِ عصر سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو، اور اس کی جڑیں، غربت و افلاس اور یاس و نا اُمیدی کی فضا میں جینے والے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں پیوست ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری یہ بھی آرزو ہے کہ ہمارے دانش مند اور اہلِ فکر ہمیں بتائیں کہ ہم نے کہاں کہاں اقبال و جناح کے نظریات سے انحراف کیا ہے اور اس کوتاہی کی ہم نے کیا قیمت ادا کی ہے؟ اس تحقیقی کام کے لیے فضا ساز گار ہے کیونکہ ملک کے ہر بہی خواہ کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام تیزی سے رو بہ زوال ہے اور ہمارے عوام غربت و افلاس کے مسائل سے بُری طرح دوچار ہیں۔ نیز یہ کہ ہم سائنس و ٹیکنالوجی اور اخلاقی و فکری تربیت سے لیس ہو کر ہی اکیسویں صدی میں اپنا صحت مند کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وقت کے اس تاریخی تقاضے کو پورا کر کے نہ صرف ہم آنے والی نسلوں کے لیے بہتر مثال فراہم کر سکتے ہیں۔ بلکہ سویڈن کے دانش ور کے اس دعوے کا بھی عملی جواب دے سکتے ہیں کہ "اگر برِصغیر کی قوموں کو غرقِ سمندر کر دیا جائے تو اس سے عالمِ انسانیت کا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیں افسوس ہے کہ اداریہ ہماری دراز نفسی کا شکار ہو گیا، اور جو باتیں کہنا چاہتے تھے وہ پوری طرح کہہ نہ سکے۔

زباں ز نطق فرو ماند و راز من باقیست
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقیست

(رشید احمد)

© rasailojaraid.com